پڑوسن



پڑوسی

محمود احمد مودی

تنہائی کے عذاب سے دوچار عورت کے پہلو میں آن بسنے والے جوڑے پر بگڑنے والی افتاد کا قصہ

اچھا پڑوسی کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا اور برا پڑوس عذاب سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن کسی پڑوسی کو اچھا برا کہنے سے قبل سوچ لینا چاہیے کہ ہم خود اس کے لیے کیسے ہیں؟ نعمت رحمت یا زحمت اور عذاب......! ایسے ہی ایک پڑوسی کی آمد کا شاخسانہ اُس کے بارے میں ہمسایہ کے خیالات کچھ اچھے نہیں تھے۔

ثمینہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش کررہی تھی۔ دفعتاً وہ باہر سے آنے والے شور کی آوازیں سن کر چونک گئی۔ پہلے کسی بھاری بھرکم گاڑی کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی۔ انجن بند ہونے کے بعد سناٹا چھا گیا اور اس سناٹے کو ایک دھماکے نے توڑا۔ وہ لپک کر کھڑکی پر آئی اور باہر جھانکنے لگی۔ اس کے مکان کے عین سامنے ایک کھٹارا سا ٹرک کھڑا تھا۔ دھماکے کی آواز ٹرک کا پچھلا دروازہ گرانے سے پیدا ہوئی تھی۔

اس نے دیکھا کہ ٹرک سے سامان اتار کر برابر والے اپارٹمنٹ میں پہنچایا جارہا تھا۔ ثمینہ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ ٹرک کے قریب ایک نوجوان عورت کھڑی تھی۔ ثمینہ نے اس کی جسمانی ساخت دیکھتے ہی اندازہ کرلیا کہ وہ عنقریب ماں بننے والی تھی۔ ایک نوجوان سامان اٹھا کر اپارٹمنٹ کے اندر پہنچا رہا تھا۔ اس کے متعلق ثمینہ نے اندازہ لگایا کہ وہ ٹرک کے قریب کھڑی ہوئی عورت کا شوہر ہے۔

برابر والا اپارٹمنٹ کافی عرصے سے خالی پڑا تھا۔ اس لیے ثمینہ بڑے سکون سے وہاں رہ رہی تھی۔ وہ فطری طور پر تنہائی پسند تھی اور شور شرابے سے بہت گھبراتی تھی۔ دونوں اپارٹمنٹ چونکہ ساتھ ساتھ ملے ہوئے تھے اس لیے ایک طرف کی آوازیں دوسری طرف باآسانی سنی جاسکتی تھیں۔



اس وقت سامان رکھنے کی وجہ سے بہت شور ہو رہا تھا اور ثمینہ کو یہ بے ہنگم شور بہت برا معلوم ہو رہا تھا۔

کچھ ہلکا پھلکا سامان اٹھا کر عورت اندر چلی گئی تو پھر واپس باہر نہیں آئی تھی۔ اس کا شوہر سامان ٹرک سے اتار کر اندر پہنچاتا رہا۔ تھوڑی دیر میں ٹرک خالی ہو گیا اور واپس چلا گیا۔ ثمینہ کھڑکی سے ہٹ کر اندر آ گئی۔ لمحہ بھر کے بعد دوسری طرف سے چیزیں گھسیٹنے اور پٹخنے کی مسلسل آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ ثمینہ غصے سے ٹہلنے لگی۔ اس نے سوچا کہ دونوں ضرورت سے زیادہ اونچی آواز میں باتیں کر رہے ہیں۔

''بیہودہ لوگ معلوم ہوتے ہیں۔'' وہ ٹہلتے ہوئے غصے سے بڑبڑائی ''یہ کام آرام سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ سامان کو گھسیٹنے کے بجائے اٹھا کر بھی رکھا جا سکتا ہے۔ بے وقوف، جاہل لوگ، انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ سامان کو گھسیٹنے سے صرف شور ہی نہیں ہوتا، سامان خراب بھی ہو جاتا ہے۔''

کچھ دیر تک تو وہ اس بیہودگی کو خاموشی سے برداشت کرتی رہی، پھر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے جھپٹ کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور اس اسٹیٹ ایجنسی کا نمبر ڈائل کرنے لگی، جس کی نگرانی میں وہ مکانات تھے۔ مالک مکان تین برس قبل انگلینڈ منتقل ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہاں موجود پراپرٹی کو فروخت کرنے کے بجائے کرائے پر چڑھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسٹیٹ ایجنٹ کے ذریعے مکانات کا کرایہ ان کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہتا تھا۔

رابطہ ہونے کے بعد ثمینہ نے غصے سے ریسیور میں کہا۔ ''بس خاور صاحب! اسی بات کی کمی رہ گئی تھی۔''

اسٹیٹ ایجنٹ خاور نے تعجب سے پوچھا ''آپ کا اشارہ کس ''بات'' کی طرف ہے محترمہ!''

''میں دن بھر ڈیوٹی انجام دیتی ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں جاب کرتی ہوں۔ امید ہے کہ اب گھر پر بھی سکون میسر نہیں ہو گا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا...... آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں۔''

''میں اپنے پڑوس میں آباد ہونے والے نئے کرایہ داروں کی بات کر رہی ہوں۔''

''آپ کو ان سے کیا شکایت ہے؟''

''عجیب لوگ ہیں یہ۔'' ثمینہ نے کہا ''جب سے آئے ہیں مسلسل شور مچائے جا رہے ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ یہاں کوئی نہیں رہتا...... اور مجھے یقین ہے کہ وہ اچھے ساتھ ہائی فائی اسٹیریو بھی لائے ہوں گے اور مجھے امید ہے کہ وہ وقت بے وقت اسے بجاتے رہیں گے۔''

''دیکھیے مس ثمینہ صاحبہ!'' خاور نے تحمل سے کہا ''آپ کو معلوم ہے کہ وہ مکان کتنے عرصے سے خالی پڑا تھا۔ کسی معقول کرائے دار کے انتظار میں مجھے......''

''معقول کرائے دار!'' ثمینہ نے جلدی سے اس کی بات کاٹی ''یہ لوگ آپ کو کہاں سے ''معقول'' نظر آ گئے......؟ مجھے تو حیرت ہو رہی ہے کہ آخر کیا دیکھ کر آپ نے انہیں مکان کرائے پر دے دیا ہے؟ مجھے تو وہ قابل اعتبار نظر نہیں آتے۔ وہ شخص تو مجھے شکل ہی سے اچکا معلوم ہوتا ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے محترمہ!'' خاور نے نرم لہجے میں کہا ''میں نے دیکھ بھال کر ہی مکان ان کے حوالے کیا ہے۔ توصیف صاحب اپنے مکانات کی ذمے داری میرے سپرد کر گئے ہیں تو......''

''آپ خوب اپنی ذمے داری نبھا رہے ہیں۔'' ایک بار پھر ثمینہ نے اس کی بات کاٹی ''مکان ایک مشکوک فیملی کو دے دیا۔''

دوسری طرف سے گہرا سانس لینے کی آواز سنائی دی پھر خاور نے کہا ''مجھے تو ان کے اندر کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ ایک مہینے کا پیشگی کرایہ اور چھ مہینے کا سیکیورٹی ڈپازٹ لیا ہے ان سے۔''

''اب اسی پر اکتفا کیجیے۔ امید ہے کہ مزید ان سے کچھ وصول کرنے کے لیے آپ کو قانون کا سہارا لینا پڑے گا۔''

''کوئی مضائقہ نہیں۔'' دوسری طرف سے شاید مسکرا کر کہا گیا تھا ''ہمارے کاروبار میں ایسے مراحل آتے ہی رہتے ہیں اور ہم ان سے نمٹتے ہی رہتے ہیں...... بہر حال، یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا حافظ!'' یہ کہہ کر خاور نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ثمینہ چند لمحوں تک سر پکڑے بیٹھی رہی پھر اس نے اپنی ایک سہیلی حمیرا کو فون کیا۔

''کیسی ہو حمیرا؟'' رابطہ ہونے کے بعد اس نے کہا ''آج ایک نئی مصیبت نازل ہو گئی ہے۔''

''خدا خیر کرے...... کیا ہوا؟''

''میرے ساتھ والے مکان میں ایک مشکوک جوڑا آ گیا ہے۔''

''مشکوک جوڑا؟''

''ہاں، ان کی شکلیں دیکھ کر ہی وحشت ہوتی ہے۔ اگر تم ان کا سامان دیکھ لو تو یہی کہو گی کہ کسی کباڑیے کی دکان کو لوٹ کر آئے ہیں...... اور وہ عورت اُف...... ایسا لگتا ہے جیسے اس نے سالم تربوز نگل لیا ہے۔ بخدا مجھے تو اس ہونے والے بچے کے ساتھ ابھی سے ہمدردی ہو رہی ہے۔''

''چلو کچھ بھی ہے، تمہارا پڑوس تو آباد ہو گیا۔'' حمیرا نے کہا ''اور ہاں...... ثمینہ! در اصل اس وقت میں ذرا جلدی میں ہوں۔ شاپنگ کے لیے جا رہی ہوں۔ پیر کے دن دفتر میں ملاقات ہو گی، بائے۔''

فون بند کر کے ثمینہ غسل خانے میں جا کر آئینے میں اپنے سیاہ بالوں کا جائزہ لینے لگی۔ درمیان میں کچھ بالوں کی جڑیں سفید نظر آ رہی تھیں۔ چند اور بال بھی سفید ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اس کے چہرے پر فکر کی لکیریں گہری ہو گئیں۔ اس نے ہاتھوں پر ربڑ کے دستانے چڑھائے اور بالوں کو لگانے والا رنگ تیار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد اسے دوسری طرف کے غسل خانے میں پانی گرنے کی آواز سنائی دی۔ دونوں غسل خانے ساتھ ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اس لیے دوسری طرف کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی پھر پانی کی آواز کے ساتھ باتوں اور قہقہوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

ثمینہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دونوں میاں بیوی اکٹھے نہا رہے تھے ''اُف...... بے شرمی کی حد کر دی انہوں نے۔'' وہ ناگواری سے بڑبڑائی ''کم بخت غبارے کی طرح پھولے ہوئے پیٹ کے ساتھ شوہر سے اٹکھیلیاں کر رہی ہے ــــ اور پتا بھی نہیں کہ دونوں میاں بیوی ہیں بھی یا نہیں...... توبہ...... توبہ۔''

پھر وہ دیوار کے ساتھ کان لگا کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگی لیکن پانی کے شور اور درمیانی دیوار کی وجہ سے الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ وہ پیچھے ہٹ گئی اور آئینے میں اپنے عکس کو گھورنے لگی۔ رنگ لگانے کی وجہ سے اس کے بال قدرے سخت اور بھدے ہو گئے تھے۔ پیشانی پر رنگ کے دو تین دھبے بھی نظر آ رہے تھے۔ اس نے گہرا سانس لیا اور اس کے خیالات چند برس پیچھے چلے گئے۔

یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی، صرف چند سال پہلے وہ ایک نوخیز اور خوب صورت لڑکی تھی۔ اسے دیکھ کر نوجوان ٹھنڈی آہیں بھرتے تھے، اور بار بار نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے تھے۔ نشیلی سی آنکھیں جو ہمیشہ نیم وا رہتی تھیں۔ سیاہ چمک دار زلفیں جو اس کے کندھوں پر لہرا رہی ہوتیں۔ سرخ و سفید رنگت...... اور انگ انگ میں جوانی کا خمار۔

اس نے کسی کامیاب اور خوب رو نوجوان کے ساتھ شادی کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ بزنس مین، سرکاری افسر یا کامیاب ڈاکٹر، وکیل وغیرہ! لیکن جن امیدواروں نے اس کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھایا تھا، ان میں سے کوئی بھی اس کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔

ثمینہ نے ایسے تمام ہاتھ جھٹک دیے تھے پھر ان تمام نوجوانوں نے آخر کار اس کی طرف سے مایوس ہو کر یکے بعد دیگرے عام سی، معمولی شکل صورت والی لڑکیوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ جس آئیڈیل کا خواب ثمینہ نے دیکھا تھا وہ نہ جانے کہاں گم ہو گیا تھا۔ تاہم وہ ابھی تک مایوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی خوب صورت اور شوخ تھی۔ اس کی آنکھیں ویسی ہی خوب صورت تھیں البتہ آنکھوں کے نچلے حصے پر ایک سیاہی مائل لکیر سی نمودار ہو گئی تھی۔ وہ لکیر زیادہ گہری نہیں تھی۔ میک اپ میں چھپائی جا سکتی تھی۔ بال بھی ویسے ہی چمک دار اور ملائم تھے۔ چند ایک سفید ہو گئے تھے تو کیا ہوا۔ انہیں رنگ میں چھپایا جا سکتا تھا۔

ایک بار پھر وہ آئینے میں اپنے عکس کو گھورنے لگی۔

اقوالِ زریں

☆...... زہد یہ ہے کہ آدمی رغبت کے کاموں سے باز آئے۔

☆...... قناعت فضول چیزوں سے نکل جانے اور بقدر حاجت پر اکتفا کرنے اور کھانے پینے اور رہنے کی چیزوں میں اسراف سے پرہیز کو کہتے ہیں۔

☆...... صبر لذاتِ نفس سے نکل جانے اور مرغوب و محبوب اشیاء سے باز رہنے کو کہتے ہیں۔

☆...... جو لوگ اللہ کے آگے گردن تسلیم و رضا خم کیے ہوئے ہیں وہ مصیبت و بلا کی صورت میں بلا کو نہیں دیکھ سکتے۔

☆...... ہر نیکی صدقہ ہے۔

مرسلہ:۔ شکیل خان...... بدایوں

خلاف معمول آج اسے اپنی آنکھوں کے گرد کچھ زیادہ ہی جھریاں نظر آ رہی تھیں۔ سرخ و سفید رنگ کے درمیان ایک ناپسندیدہ رنگ جھانک رہا تھا۔ بال بھی جلدی جلدی سفید ہونے لگے تھے۔ اس نے سوچا کہ شاید وہ اپنی صحت کی طرف سے کچھ بے پروا ہو گئی ہے۔

دوسری طرف سے ملے جلے قہقہے کی آواز سے اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ وہ غسل خانے سے نکل کر باورچی خانے میں آ گئی اور فریج سے کھانا نکال کر گرم کرنے لگی۔

☆☆☆

''یہ مکان بہت اچھا ہے۔'' فرزانہ نے تولیے سے اپنے بال خشک کرتے ہوئے کہا ''شاور کے نیچے نہانے کا مزہ آ گیا۔ پہلے والے مکان کے ادھڑے ہوئے باتھ روم میں بالٹی سے نہانے سے سخت کوفت ہوتی تھی۔ یہاں ہمارے آنے والے بچے کے لیے بھی الگ سے چھوٹا کمرا ہے۔ ہر چیز ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''ہاں، شکر ہے کچھ بہتر مکان مل گیا۔'' فیصل نے بالوں میں کنگھا کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اور ہاں فیصل......!'' اس کی بیوی کو گویا اچانک کوئی بات یاد آ گئی ''تم نے پڑوس میں رہنے والی عورت کو دیکھا تھا؟ جس وقت ہم ٹرک سے سامان اتار رہے تھے وہ کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ بالکل چڑیل لگ رہی تھی۔ پتا نہیں کیوں، وہ ہمیں عجیب نظروں سے گھور رہی تھی۔ تم نے دیکھا تھا اسے؟''

''نہیں، میں نا شناسا عورتوں کی طرف نہیں دیکھتا۔'' اس نے مزاح کے رنگ میں کہا ''خاص طور پر اس وقت جب بیوی قریب ہو۔''

''جب بیوی قریب نہ ہو تب؟'' فرزانہ نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''تب بھی نہیں بابا!'' فیصل نے ہنستے ہوئے کہا ''خیر، مذاق کی باتیں چھوڑو۔ ہمیں جلدی سے کام شروع کرنا چاہیے۔ آج رات مجھے جانا بھی ہے۔''

''اوہ، آج رات بھی؟'' فرزانہ کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

''ہاں...... اور سامان سے میرا پستول بھی نکال لینا...... شاید اسے میں نے کپڑوں کے صندوق میں رکھ دیا تھا۔''

پھر وہ دونوں مل کر سامان کو ترتیب سے رکھنے لگے۔ پلنگ کو خواب گاہ میں رکھا گیا۔ وہ خاصا بڑا پلنگ تھا۔ زیادہ جگہ اسی نے گھیری تھی۔ ایک طرف سنگھار میز کی جگہ بھی نکل آئی۔

فرزانہ نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر ایک تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیا پھر وہ پلنگ کے کنارے پر بیٹھ کر سستانے لگی۔

''تمہیں زیادہ کام نہیں کرنا چاہیے فرزانہ!'' فیصل نے کہا ''تم تھکن محسوس کر رہی ہو نا؟''

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' فرزانہ نے جواب دیا ''تھکاوٹ تو ہو گی ہی، مگر کام بھی تو کرنا ہے نا۔''

''تم نے آج بہت کام کیا ہے۔'' فیصل اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا ''بہتر یہی ہے کہ تم تھوڑا سا آرام کر لو۔''

''اگر میں لیٹ گئی تو پھر میرے لیے اٹھنا محال ہو جائے گا۔ تمہیں آج جانا بھی ہے۔ چنانچہ مجھے تمہارے لیے کھانا بھی تیار کرنا ہے۔ اس کے بعد میں آرام کر لوں گی۔''

''میرا خیال ہے آج کھانا رہنے ہی دو۔ میں ہوٹل سے کھا لوں گا۔''

''لیکن مجھے بھی تو بھوک لگی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ باورچی خانے کی چیزیں بھی نکال کر سیٹ کر ہی دوں۔ اگر تم کھائے بغیر چلے گئے تو مجھے بہت الجھن ہو گی...... فیصل! فرض کرو تمہیں کچھ ہو گیا تو......؟''

''مجھے کچھ نہیں ہو گا۔'' فیصل نے اسے تسلی دی ''تم اس سلسلے میں پریشان مت ہوا کرو۔ میں ہمیشہ احتیاط سے کام کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے مجھے جلدی سے تیار ہو جانا چاہیے۔ آٹھ بجنے والے ہیں۔ ناصر آتا ہی ہو گا۔''

فرزانہ باورچی خانے میں چلی گئی اور فیصل جانے کی تیاری کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے اندر فرزانہ نے کچھ انڈے فرائی کر کے چپاتیاں تیار کر لیں اور ساتھ ہی چائے بھی بنالی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ سامان کھولنے لگی۔ ایک سوٹ کیس کے اندر کپڑوں کے درمیان فیصل کا پستول رکھا تھا۔

اس سوٹ کیس میں فرزانہ نے اپنے ہونے والے بچے کے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ ننھے ننھے رنگ برنگے فراکوں پر سیاہ رنگ کا پستول بڑا ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ اس نے پستول اٹھا لیا۔ اس کے چہرے پر تشویش نظر آنے لگی۔ دباؤ کی وجہ سے بچے کے کپڑوں پر پستول کا خاکہ سا بن گیا تھا۔ فرزانہ نے اس بات کو سخت بدشگونی سمجھا اور وہ دل میں خوف زدہ ہو گئی لیکن اس نے اپنے شوہر سے اس بات کا تذکرہ نہیں کیا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ اس نے پستول میز پر رکھا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ دوسرے کمرے سے فیصل نے آواز لگائی ''فری! ذرا دیکھنا کون ہے۔ میرا خیال ہے ناصر ہو گا۔ وہ کچھ جلدی آ گیا ہے۔''

فرزانہ نے دروازہ کھولا تو خلاف توقع اس نے اپنی پڑوسن کو باہر کھڑے پایا ''جی، فرمایئے۔'' فرزانہ نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

''میں آپ کے برابر والے مکان میں رہتی ہوں۔'' ثمینہ نے جواب دیا پھر اس نے اپنا تعارف کرایا ''میرا نام ثمینہ ہے۔''

''اوہ بڑی خوشی ہوئی۔ اندر آ جائیے۔'' فرزانہ نے کہا اور پھر اندر کی طرف منہ کر کے بولی ''فیصل! دیکھو ہمارے ہاں مہمان آئے ہیں...... آیئے ثمینہ صاحبہ! ابھی تو سارا سامان بکھرا پڑا ہے۔ بیٹھنے کی بھی مناسب جگہ نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' ثمینہ نے کہا ''بلکہ میں اس طرح بے وقت آنے پر معذرت خواہ ہوں۔ آپ چونکہ آج ہی آئے ہیں اور افراتفری میں کھانے پکانے کا موقع نہیں ملا ہو گا۔ اس لیے میں آپ کے لیے کھانا لے کر آئی ہوں۔''

''اوہ بہت بہت شکریہ ثمینہ صاحبہ! آپ نے بڑی تکلیف کی۔''

فیصل دوسرے کمرے کے دروازے میں نمودار ہوا اور سلام کرنے کے بعد بولا ''ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں آپ جیسا اچھا پڑوسی مل گیا۔''

فرزانہ نے ثمینہ کے ہاتھ سے ٹرے لے لی۔

''میں تقریباً چھ برس سے اس عمارت میں مقیم ہوں۔'' ثمینہ نے کہا ''بڑی پرسکون جگہ ہے۔ امید ہے آپ بڑے آرام اور سکون سے یہاں رہیں گے۔ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور بتائیں۔ میں پڑوسیوں کی خدمت کرنا فرض سمجھتی ہوں۔''

''شکریہ محترمہ!'' فیصل نے کہا۔

''اس سے پہلے بھی یہاں ایک میاں بیوی رہتے تھے۔ بڑے اچھے لوگ تھے۔ کوئی بچہ نہیں تھا۔ میرے ساتھ ان کے بہت اچھے تعلقات تھے......'' پھر وہ فرزانہ سے مخاطب ہوئی ''آپ نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟''

''میرا نام فرزانہ ہے اور یہ میرے شوہر ہیں، فیصل۔''

ثمینہ کی نظریں پورے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں پھر یکایک اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور خوف زدہ ہو کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''اب میں چلتی ہوں...... برتن بعد میں لے لوں گی۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

فرزانہ اور فیصل کو اس کی اس تبدیلی پر سخت تعجب ہوا لیکن انہوں نے اس کا اظہار نہیں کیا ''آپ بیٹھئے تو سہی۔'' فرزانہ نے ایک کرسی اٹھا کر اس کے قریب رکھی ''میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''نہیں...... پھر کبھی سہی۔'' ثمینہ بدستور پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ اس کے بعد وہ نہیں رکی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ دوسرے ہی لمحے اس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ فیصل اور فرزانہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''اس عورت کو اچانک کیا ہو گیا۔ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی تھی؟'' فرزانہ نے کہا۔

''تم نے شاید اسے پہچانا نہیں۔'' فیصل نے کہا ''غالباً یہ وہی عورت ہے جو کھڑکی سے جھانک رہی تھی۔''

''ہاں، غالباً وہی تھی لیکن اس نے میک اپ کیسا کر رکھا تھا...... جیسے پلاسٹک پینٹ کر رکھا ہو۔ کوئی گھر میں بھی ایسے رہتا ہے؟ لیکن یہ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگ کیوں گئی؟''

''اس مسئلے پر بعد میں غور کریں گے۔'' فیصل نے کہا ''میرا خیال ہے دل کی بری نہیں۔ لاؤ ذرا دیکھیں کھانے میں وہ کیا دے گئی ہے۔''

فرزانہ پلیٹیں اٹھانے باورچی خانے میں چلی گئی۔ فیصل نے میز پر پڑا ہوا پستول اٹھایا اور اسے لوڈ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فرزانہ پلیٹیں لے کر واپس آ گئی اور ان میں کھانا نکالنے لگی۔

''اوہ کوفتے!'' فیصل خوشی سے اچھل پڑا ''ساتھ کھیر بھی ہے، واہ!''

پھر وہ دونوں کھانا کھانے لگے۔ آخر میں کھیر کا چمچ منہ میں ڈال کر فیصل نے کھانے کی ایک بار پھر تعریف کی۔

''مجھے تو اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ وہ کس بات پر اتنی خوف زدہ ہو گئی تھی۔''

''تمہارا ذہن ابھی تک اسی میں الجھا ہوا ہے۔'' فیصل نے پستول کو جیکٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا ''ہو گی کوئی وجہ...... ہو سکتا ہے؟ اچانک اسے کوئی کام یاد آ گیا ہو، یا ممکن ہے وہ باورچی خانے میں چولہے پر کوئی چیز رکھ آئی ہو...... خیر، اب میں چلتا ہوں۔ تم اب زیادہ کام نہیں کرنا اور باہر کا دروازہ بند کر دو۔''

''لیکن ناصر تو ابھی آیا نہیں۔''

''بس وہ آنے ہی والا ہو گا۔ میں باہر ہی اس کا انتظار کر لوں گا۔ مجھے سگریٹ بھی لینے ہیں نا۔''

فرزانہ کو اپنے شوہر کی یہ بات بہت پسند تھی۔ وہ ناصر کو

کبھی گھر کے اندر نہیں لاتا تھا۔ کیونکہ وہ ناصر کو دیکھ کر نروس ہوجاتی تھی۔ بھاری بھرکم جسم اور اس کا چیچک کے نشانات والا چہرہ خاصا خوفناک تھا۔ فیصل اس کی بہت تعریف کرتا تھا کہ ناصر بہت دلیر اور خطرے کو خاطر میں نہ لانے والا ایک ہوشیار شخص تھا۔ اس کی موجودگی میں وہ خود کو خاصا محفوظ تصور کرتا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے ثمینہ، تم تو خاصی پریشان معلوم ہوتی ہو۔''

''میں واقعی بہت پریشان ہوں حمیرا! کیا تم یہاں میرے پاس آسکتی ہو؟''

''میں اس وقت نہیں آسکتی۔'' حمیرا نے جواب دیا ''میں اس وقت اظہر کے ساتھ باہر جانے والی ہوں۔ مجھے تیار بھی ہونا ہے...... فون پر ہی بتا دو نا، آخر بات کیا ہے؟ تم کیوں اس قدر نروس ہورہی ہو؟''

ثمینہ نے اپنی آواز دھیمی کرتے ہوئے ریسیور میں کہا ''میرے پڑوس میں جو نئے لوگ آئے ہیں، وہ بہت خطرناک ہیں۔ دونوں پیشہ ور مجرم اور کسی نشے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔''

''عورت بھی؟'' حمیرا نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، وہ ظاہر بھی کررہے ہیں کہ دونوں میاں بیوی ہیں...... لیکن مجھے یقین ہے کہ انہوں نے شادی نہیں کی۔ بھلا شادی شدہ افراد بھی کہیں باتھ روم میں اٹھکیلیاں کرتے ہیں! مرد تو شکل ہی سے اوباش لگتا ہے۔ اس کی کئی دنوں کی شیو بھی بڑھی ہوئی ہے۔''

''یار ثمینہ!'' حمیرا نے قدرے بیزاری سے کہا ''تم خوامخواہ خوف زدہ ہورہی ہو اور جو کچھ تم نے بتایا ہے وہ سب تمہارے وہم کی کرشمہ سازی ہے۔''

''نہیں حمیرا! یہ میرا وہم ہرگز نہیں ہے۔ ان کے پاس پستول بھی ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے پھر میں نے اپنے کانوں سے پستول کو لوڈ کرنے کی آواز بھی سنی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے وہ بھرا ہوا پستول لے کر ایک خوفناک صورت والے چھٹے ہوئے بدمعاش کے ساتھ کہیں گیا ہے۔ اس دوسرے آدمی کی شکل ہی اتنی خوفناک تھی کہ اسے دیکھ کر ہی میرے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ اندر نہیں گیا تھا۔ باہر ہی کھڑا انتظار کرتا رہا۔ اب دونوں کہیں واردات کرنے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی کو قتل کرنے گئے ہوں۔''

''اگر وہ کوئی واردات کرنے یا کسی کو قتل کرنے گئے ہیں، تب بھی تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟'' ریسیور سے حمیرا کی آواز آئی ''وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اپنے ذہن کو کسی اور کام میں لگانے کی کوشش کرو۔ ٹی وی دیکھو یا کوئی کتاب پڑھو۔ ان خیالات کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ تم اس بارے میں جتنا سوچو گی، اتنی ہی پریشان ہوتی رہو گی۔ مجھے اب دیر ہورہی ہے ثمینہ! اظہر آنے ہی والا ہوگا۔''

''اظہر، اظہر، اظہر!'' ثمینہ غصے سے بولی ''آخر کیا ہے اظہر......؟ محض ایک سیلز آفیسر۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے حمیرا! تمہیں تو اظہر سے زیادہ اچھا لڑکا بھی مل سکتا ہے۔''

''ہاں، مل سکتا ہے لیکن میں اس کے انتظار میں بیٹھ کر اپنے بال سفید کرنا نہیں چاہتی۔'' حمیرا کی یہ بات سن کر ثمینہ تلملا کر رہ گئی۔ اس نے واضح طور پر اس پر چوٹ کی تھی لیکن وہ خاموش رہی۔

حمیرا کہہ رہی تھی ''ویسے مجھے امید ہے کہ اظہر کے ساتھ میری زندگی اچھی گزرے گی۔ ہم دونوں نے شادی کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ثمینہ! میرا مشورہ ہے کہ تم بھی حمید صاحب کا ہاتھ تھام لو۔ وہ بے چارے اب بھی تمہاری آس لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ تمہیں خوش رکھے گا، کیونکہ وہ تمہیں چاہتا ہے۔''

''مشورے کا شکریہ۔'' ثمینہ نے روکھے لہجے میں کہا۔ ''اب میرے لیے حمید جیسے ادھیڑ عمر ہی رہ گئے ہیں۔ جبکہ وہ دفتر میں مجھ سے کم تر پوسٹ پر کام کرتا ہے۔ خیر، سنو اگر میں پیر کے دن دفتر نہ پہنچی تو سمجھ لینا کہ میں اپنے اپارٹمنٹ میں قتل کی جاچکی ہوں۔''

''پھر وہی بات!'' حمیرا نے کہا ''تم اپنے اس وہم سے جان چھڑاؤ۔ اگر تم اتنی ہی خوف زدہ ہو تو دروازے کو اندر سے تالا لگا کر رکھو۔''

''دروازے کو تو تین تین تالے لگے ہوئے ہیں۔ ایک تو دروازے میں فلش لاک ہے، دوسرا میں نے راڈ کے ساتھ لگا دیا ہے اور......''

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔'' حمیرا نے جلدی سے اس کی بات کاٹی ''شاید اظہر آگیا ہے، خدا حافظ۔''

''ارے...... ایک منٹ حمیرا، ذرا میری بات سنو۔''

لیکن دوسری طرف سے حمیرا نے سلسلہ منقطع کردیا تھا۔

ثمینہ نے آہستگی سے ریسیور رکھا اور پوری آنکھیں کھول کر کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی باورچی خانے تک گئی اور کافی بنا کر کپ اٹھائے ٹی وی کے سامنے آبیٹھی۔ برابر والے مکان سے کبھی کبھی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے سوچا کہ شاید وہ لوگ لوٹ کا مال ٹھکانے لگا رہے ہیں۔

اس کے دائیں ہاتھ میں کافی کا کپ اور بائیں ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول تھا۔ جس کے ذریعے وہ اپنی کرسی پر بیٹھی بیٹھی ٹی وی چلا سکتی تھی۔ چینل تبدیل کرسکتی تھی اور آواز ہلکی یا تیز کرسکتی تھی لیکن اس نے ٹی وی نہیں چلایا۔

اس کا ذہن نئے پڑوسیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا ''ہوسکتا ہے وہ دونوں کسی جرائم پیشہ تنظیم سے تعلق رکھتے ہوں...... اسمگلر بھی ہوسکتے ہیں۔ شاید اس وقت اسلحہ چھپا رہے ہوں۔'' اس نے سوچا اور کان لگا کر دوسری طرف کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگی۔

اسے احساس ہوا جیسے اس نے کسی کے ہانپنے کی آواز سنی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسری آواز بھی تھی، مبہم اور غیر واضح۔ اس کے ذہن میں ایک نیا دہشت انگیز خیال ابھرا ''شاید وہ عمارت کے اندر بارودی سرنگ بچھا رہے ہیں۔ ان کا پروگرام پوری عمارت کو اڑانے کا ہوگا۔ اس قسم کی خبریں اکثر اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی بعید نہیں آج اس عمارت کی باری ہو......''

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ثمینہ کو وہاں بیٹھے کافی دیر ہوگئی۔ ریموٹ کنٹرول بدستور اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا لیکن ٹی وی نہیں چلایا تھا۔ اس نے رات کے کھانے کے بارے میں سوچا، پھر سوچا کہ آج اسے بھوک نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد وہ آہستگی سے اٹھی، ریموٹ میز پر رکھا اور بستر پر لیٹ کر ایک رسالہ دیکھنے لگی۔

پھر نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے ایک پُرشور آواز سن کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ غور کیا تو پتا چلا کہ برابر والے مکان میں ٹی وی چل رہا تھا۔ شاید مار دھاڑ سے بھرپور کوئی انگلش فلم دکھائی جارہی تھی۔

ثمینہ نے سوچا کہ درمیانی دیوار تھپتھپا کر انہیں احساس دلائے کہ ٹی وی کی آواز آہستہ کرلیں لیکن پھر کسی خیال کے تحت اپنا یہ ارادہ ترک کردیا۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا کہ صبح ہوتے ہی وہ سب سے پہلے اسٹیٹ ایجنٹ خاور سے ملے گی۔ یہ اس کی ذمے داری تھی کہ وہ نئے کرایہ داروں کو اخلاقی اصول سمجھائے۔

اچانک بیدار ہونے کی وجہ سے اس کے سر میں درد شروع ہوگیا۔ کافی دیر تک وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی لیکن نیند نہیں آئی۔ مجبوراً اسے خواب آور گولیاں کھانی پڑیں۔

صبح کے ساڑھے تین بجے ثمینہ کو محسوس ہوا کہ اس کے آس پاس زوردار دھماکے ہورہے ہیں اور کوئی زور زور سے اس کا نام پکار رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ شاید وہ خواب دیکھ رہی ہے یا شاید عمارت کے اندر بم پھٹ رہے ہیں۔ دھماکے رفتہ رفتہ بڑھتے جارہے تھے پھر یکایک وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کوئی شخص زور زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر بجلی لیمپ جلایا اور گھڑی میں وقت دیکھا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس وقت کون ہوسکتا ہے، اس نے سوچا۔

''مس ثمینہ...... ثمینہ صاحبہ!'' باہر سے ایک مردانہ آواز سنائی دی ''پلیز، جلدی سے دروازہ کھولیے۔''

''کون ہو تم؟'' ثمینہ نے دروازے کے قریب جاکر اپنی آواز میں سختی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں فیصل ہوں...... آپ کا پڑوسی...... ثمینہ صاحبہ! جلدی سے دروازہ کھولیے...... میری بیوی......''

''یہ بھلا کون سا وقت ہے کسی کو جگانے کا؟'' ثمینہ نے کہا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

صلہ رحمی (رشتے داروں سے اچھا سلوک)

❁...... صلہ رحمی ہمسایوں سے اچھا سلوک اور حسنِ خلق ایسی چیزیں ہیں جن سے عمر زیادہ ہوتی ہے اور گھر آباد رہتے ہیں۔

❁...... صلہ رحمی کرنے والے کبھی محتاج نہیں رہتے۔ اگر گناہگار اور فاجر بھی ہوں تب بھی صلہ رحمی کی برکت سے ان کا مال اور عمر بڑھادی جاتی ہے۔

❁...... جو شخص رزق کی کشادگی اور عمر کی زیادتی کا خواہش مند ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے اور ماں باپ سے حسن سلوک کرے۔

❁...... لوگو! اپنا نسب نامہ اور اپنے رشتے داروں کے نام یاد رکھا کرو تاکہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنے میں آسانی ہو۔ صلہ رحمی سے باہمی محبت زیادہ ہوتی ہے اور مال بڑھتا ہے۔

شازیہ ضیاء...... لکھنئو

"میں معافی چاہتا ہوں خاتون!" فیصل کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی "میری بیوی کی طبیعت بگڑ رہی ہے۔ میں ذرا آپ کا فون استعمال کرنا چاہتا ہوں۔"

ثمینہ اب پوری طرح ہوش میں آ چکی تھی۔ وہ دروازے کے قریب کھڑی سوچنے لگی کہ شاید یہ شہدہ اندر داخل ہونے کا بہانہ کر رہا ہے۔ وہ تنہا اور کمزور عورت کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

"خدارا جلدی کیجیے۔ مجھے بہت ضروری فون کرنا ہے...... دیر ہو گئی تو......"

"تم باہر کہیں سے فون کیوں نہیں کر لیتے؟" ثمینہ نے کہا۔

"اس وقت تمام پی سی او بند ہیں۔ مس ثمینہ! میری بیوی کی طبیعت ایک دم خراب ہو گئی ہے۔ شاید بچے کی ولادت ہونے والی ہے۔ وہ بہت تکلیف میں ہے۔ میں اسپتال فون کر کے ایمبولینس منگوانا چاہتا ہوں۔"

"ایک منٹ ٹھہرو۔" ثمینہ نے کہا اور اپنے تینوں کمروں کی ساری بتیاں روشن کر دیں۔ روشنی کی وجہ سے اس کا خوف کسی حد تک کم ہو گیا پھر وہ دروازے کے قریب آئی اور زنجیر لگا کر دروازے کی جھری سے باہر جھانکنے لگی۔ فیصل باہر کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ یہ کسی نشے کا اثر تھا یا بے خوابی کا، بہر حال ثمینہ کو اس کا حلیہ پسند نہیں آیا۔ پرانی سی جیکٹ، گھسی ہوئی زین کی پتلون، بال خشک اور الجھے ہوئے۔

"میں ناوقت زحمت دینے پر معافی چاہتا ہوں۔" فیصل نے کہا "فرزانہ کی حالت بہت خراب ہے۔ ہمارے حساب سے اور ڈاکٹر کے مطابق بچے کی پیدائش میں ابھی کم سے کم دس پندرہ دن باقی تھے لیکن میرا خیال ہے آج اس نے بہت زیادہ کام کیا ہے...... میں اسپتال فون کرنا چاہتا ہوں۔"

قدرے تامل کے بعد ثمینہ نے دروازہ کھول دیا اور فیصل کو گزرنے کے لیے راستہ دیا لیکن خود احتیاطاً دروازے پر ہی کھڑی رہی "فون سامنے رکھا ہے۔"

"شکریہ۔" فیصل تیزی سے فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میں واقعی رات کے اس پہر آپ کو تکلیف دینے پر شرمندہ ہوں۔" پھر وہ جلدی جلدی جیبیں ٹٹولنے لگا "فون نمبر کہاں گیا؟" وہ بڑبڑایا۔

ثمینہ چند قدم آگے آ کر اس کی حرکات کا جائزہ لینے لگی۔ اسے احساس ہونے لگا کہ شاید نئے پڑوسیوں کے بارے میں اس نے غلط اندازہ لگایا تھا۔ بچے عموماً رات کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ کم از کم رسالوں وغیرہ میں تو اس نے یہی پڑھا تھا۔ پہلے بچے کی پیدائش پر ماں سے زیادہ باپ کو تشویش ہوتی ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ اس شخص کو اپنے حلیے اور لباس پر توجہ دینی چاہیے۔ اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں عجیب سا ناپسندیدگی کا احساس ابھرتا تھا۔ تاہم ثمینہ نے خود کو اچھا پڑوسی ثابت کرنے کے لیے ان کی پوری طرح سے مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

فیصل کی پشت اس کی طرف تھی۔ وہ ٹیلی فون کی میز کے سامنے کھڑا جیب سے چیزیں نکال کر میز پر رکھتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ ایک بار پھر دھیرے سے بڑبڑایا "پتا نہیں وہ کاغذ کہاں چلا گیا۔"

ثمینہ اسے ٹیلی فون کے نیچے رکھے ہوئے کارڈ کے بارے میں بتانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی، جس پر چند اہم فون نمبر درج تھے۔ اچانک اس کے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر سرایت کر گئی۔ اس نے فیصل کے ہاتھ میں پستول دیکھ لیا تھا۔ گویا اس نے جو ابتدا میں اندازہ لگایا تھا وہ صحیح تھا۔ یہ شخص دھوکے سے اس کے گھر میں گھس آیا تھا۔ ثمینہ کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ اب اسے فیصل کے مڑنے سے پہلے کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے کوئی فوری قدم اٹھانا تھا۔

اس نے کسی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ دروازے کے کنڈے میں بڑا سا آہنی قفل لٹک رہا تھا۔ زیادہ سوچ بچار کا وقت نہیں تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نہایت آہستگی سے قفل کو کنڈے سے نکالا اور تیزی سے آگے بڑھی...... پھر اس نے قفل کو پوری قوت سے فیصل کے سر کے پچھلے حصے پر دے مارا۔ فیصل لڑکھڑا کر پیچھے مڑا اور فرش پر گر پڑا۔ اس کی پیشانی بڑے زور سے فرش سے ٹکرائی تھی۔

ثمینہ کچھ دیر تک سہمی کھڑی اس کے اٹھنے کا انتظار کرتی رہی لیکن اس کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ آگے بڑھی اور پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے پُروقار لہجے میں کہا۔

"میرے گھر میں ایک مسلح لٹیرا گھس آیا تھا۔ میں نے اس پر قابو پا لیا ہے۔ آپ فوراً آ جائیے۔"

دوسری طرف کوئی سب انسپکٹر بول رہا تھا۔ اس نے نام اور ایڈریس وغیرہ پوچھ کر ثمینہ کو ہدایت کی کہ ان کے آنے تک ہر چیز جوں کی توں رہنے دی جائے اور وہ دروازے کو بند رکھے۔

فون بند کرنے کے بعد اس نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی اور قفل دوبارہ اٹھا لیا۔ اس کے پاس اپنی حفاظت کے لیے یہی ایک ہتھیار تھا۔ اس دوران اس نے فیصل کے بے حرکت جسم کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ اس سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ شدت سے یہ جاننے کی خواہش مند تھی کہ فیصل زندہ تھا یا مر چکا تھا۔ رفتہ رفتہ اس پر گھبراہٹ اور خوف غالب آتا جا رہا تھا۔ اس کے گھٹنے کپکپا رہے تھے۔ وہ قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ قفل کو گود میں رکھ کر اس نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔

اسی حالت میں تقریباً نصف گھنٹا گزر گیا۔ فیصل کا جسم بدستور بے حرکت پڑا ہوا تھا۔ جب دروازے پر دستک سنائی دی تو ثمینہ کے جسم میں حرکت ہوئی اور اس نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔

ایک سب انسپکٹر اور تین باوردی سپاہی اندر داخل ہو گئے۔ سب انسپکٹر کو ثمینہ نے ہاتھ کے اشارے سے فیصل کے پڑے ہوئے جسم کی طرف متوجہ کیا۔ وہ اس کے قریب جا کر دیکھنے لگا پھر وہ اٹھ کر ثمینہ کے قریب آیا اور بولا "یہ سب کچھ آپ نے کیا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"کیسے؟"

ثمینہ نے پوری تفصیل کے ساتھ ہر بات بیان کر دی کہ کس طرح یہ شخص دھوکے سے اندر داخل ہوا اور ٹیلی فون کرنے کے بہانے جیب سے پستول نکال کر اس پر تان لیا اور کس طرح اس نے قفل کے ساتھ اپنا دفاع کیا۔

اب وہ خود کو کافی سنبھال چکی تھی اور یہ سب کچھ بیان کرتے وقت فخر محسوس کر رہی تھی۔ اسے امید تھی کہ کل کے اخبارات اس کے اس کارنامے کو نمایاں طور پر شائع کریں گے۔

"خاتون! کیا آپ جانتی ہیں کہ یہ کون تھا؟" سب انسپکٹر نے اسے گھور کر پوچھا۔

"پیشہ ور بدمعاش، لٹیرا...... یہ سامنے کی بات ہے۔"

"آپ کا خیال درست نہیں ہے محترمہ!" سب انسپکٹر نے کہا پھر وہ ہاتھ میں پکڑا ہوا کارڈ پڑھنے لگا، جو اس نے ٹیلی فون کی میز کے نیچے سے اٹھایا تھا "فیصل قریشی...... اسپیشل پولیس، آن ڈیوٹی...... نمبر 21758......"

دفعتاً ثمینہ کے چہرے پر بدحواسی نظر آنے لگی "گ...... کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ، یہ سادہ لباس...... اسپیشل پولیس کا آدمی تھا۔"

"اوہ میرے خدا!" ثمینہ نے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

دفعتاً دروازے کی طرف سے آنے والی ایک تیز آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ فرزانہ دروازے پر کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

"بہت دیر ہو گئی...... فیصل یہاں فون کرنے آیا تھا...... آہ...... اب تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہوتی......"

ایک سپاہی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔ ورنہ شاید وہ چکرا کر گر جاتی۔ وہ اسے لے کر کمرے میں چلا گیا۔ اس بے چاری کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا ہونے والا بچہ یتیم ہو چکا ہے۔

"آپ کے ہاتھوں ایک شخص قتل ہو چکا ہے۔" سب انسپکٹر نے ثمینہ سے کہا "آپ کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔"

"کیا میں ایک فون کر سکتی ہوں؟"

"تھانے چل کر فون کر لیجیے گا۔"

"پلیز، میں اپنی سہیلی کو اطلاع کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا کر لیجیے، لیکن ذرا جلدی۔"

ثمینہ نے حمیرا کا نمبر ملایا۔ کافی دیر تک گھنٹی بجتی رہی پھر حمیرا کی نیند میں ڈوبی ہوئی "ہیلو" سنائی دی۔

"حمیرا! میں ثمینہ بول رہی ہوں۔ میں پیر کو دفتر نہیں آ سکوں گی۔"

"اوہ، ثمینہ! یہ کون سا وقت ہے فون کرنے کا؟ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟"

"خراب ہی سمجھو۔ تفصیل کل کے اخبارات میں پڑھ لینا۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

ثمینہ نے جواب دیے بغیر ریسیور رکھ دیا اور کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اسے یقین تھا کہ وہ آخری مرتبہ اپنے گھر کو دیکھ رہی ہے۔ اب واپسی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ جلدی سے اپنی خواب گاہ میں گھس گئی اور اپنا بہترین لباس نکال کر پہن لیا۔ وہ سوچنے لگی کہ اچھا ہوا آج اس نے بال سیٹ کرا کے کلر کر لیے تھے۔ تھانے میں یقیناً فوٹو گرافر اس کی تصاویر بھی لیں گے۔